رسائل و مسائل

آیت "قُلِ العَفو" کی تشریح

(غلام علی)

سوال ۔ سوشلزم کے حامی بعض اوقات اپنی تائید میں قرآنی آیات اور علامہ اقبال کا کلام پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس سلسلے میں قرآن مجید کے ارشاد قُلِ العَفو کا حوالہ دیا جا رہا ہے اور اس سے یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ حکومتِ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر شخص کی زاید از ضرورت املاک اُس سے لے کر قومی ملکیت میں دے دے۔ دوسرے الفاظ میں اس سے انفرادی ملکیت کی نفی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کے دو شعر بھی نقل کیے جاتے ہیں، جو درجِ ذیل ہیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں — اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرفِ "قل العفو" میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

علامہ اقبالؒ کے ایک دوسرے شعر سے عجیب و غریب استدلال بھی سامنے آیا ہے۔ تشدد و تخریب اور غارت گری و آتش زنی کا پرچار کرنے والوں کو جب ٹوکا گیا تو انہوں نے اقبال کا یہ شعر پڑھ دیا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶) شخبہ اور اس کے مفہوم پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: تبیین الحقائق، شرح الکنز، زیلعی ج ۶ ص ۱۳۲ — نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، ج ۷ ص ۲۹، ۳۰ — الاحکام السلطانیہ، ابو یعلیٰ ص ۲۶۱، ۲۶۲ — الشرح الکبیر، ج ۹ ص ۶۱۹ — التاج و الاکلیل لمختصر خلیل، ج ۶ ص ۲۴۶، ۲۴۷، یہ کتاب مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل کے حاشیہ پر مطبوع ہے — حاشیہ الدسوقی علی شرح الدردیر، ج ۴ ص ۲۹۳ اور اس کے بعد۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی

اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

حیرانی ہوتی ہے کہ اس طرزِ استدلال کا کیا جواب دیا جائے؟ کیا علامہ مرحوم کا منشا یہ ہو سکتا تھا کہ فصل بھرے کھیتوں کو آگ لگا دی جائے؟

جواب: قرآن مجید کے ارشاد "قُلِ الْعَفْوَ" اور بعض دوسری قرآنی آیات کو جس طرح غلط طور پر کمیونزم اور سوشلزم کی تائید میں آج کل استعمال کیا جا رہا ہے، اس کی پُوری حقیقت واضح کرنے کے لیے مفصل بحث درکار ہے، تاہم مختصر طور پر آپ کے سوال کا جواب دیا جا رہا ہے:

اسلامی نظام اور اشتراکی نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام سب سے پہلے انسان کی باطنی و اخلاقی اصلاح پر توجہ دیتا ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف اور محاسبۂ آخرت کا احساس پیدا کرتا ہے تاکہ وہ زندگی کے ہر میدان میں، خواہ وہ معاشی ہو یا سیاسی یا معاشرتی، نیکی اور شرافت کا رویّہ اختیار کرے۔ اگر ہم غور کریں تو یہ حقیقت ہم پر بآسانی واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی کا ہر مسئلہ بنیادی طور پر ایک اخلاقی مسئلہ ہے اور انسان کے اخلاق کو درست کیے بغیر اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی اور نہ دنیا سے شر و فساد کو مٹا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاقی اصلاح (اور اس کی وساطت سے جملہ شعبہ ہائے حیات کی اصلاح) کے ضمن میں اسلام قانونی اور سیاسی تدابیر کو بھی کام میں لاتا ہے، لیکن اسلام اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتا کہ ساری خرابیوں اور مشکلات کا حل بس یہ ہے کہ ڈنڈے کے زور سے لوگوں کی املاک کو اندھا دھند سلب کر لیا جائے اور قومی ملکیت کے پُرفریب نام پر انہیں چند ایسے جبّار اور شریر جبار افراد کے قبضے میں دے دیا جائے جو خدا و خلق کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہوں۔

اس کے برعکس سوشلزم جس نظریۂ حیات کو پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان ایک معاشی حیوان بلکہ درپردہ ایک شیطان ہے جس میں اخلاقی حس موجود ہونے، اسے بیدار کرنے اور معاشی انصاف پر آمادہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زندگی میں ہر خرابی کی جڑ بس انفرادی ملکیت ہے اور اس کا ازالہ صرف اس طرح ہو گا کہ انفرادی حقِ ملکیت کو قانوناً سلب کر لیا جائے اور ذرائع پیداوار کو حکمرانوں کی تحویل میں دے دیا جائے۔ لیکن اس کے بعد بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا کوئی معقول جواب سوشلسٹوں کے پاس نہیں ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ

ان شخصی املاک کو مجتمع کر کے جن ہستیوں کے تصرّف میں دیا جائے گا اور پوری قوم کو جن کے رحم و کرم پر چھوڑا جائے گا، کیا وہ عدل و انصاف کے پتلے اور کسی سرخ جنّت کے فرشتے ہوں گے۔ وہ بھی درحقیقت سوشلزم کے اپنے نظریے کے مطابق حیوان یا شیطان ہی ہوں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ غیر محدود ذرائع پا کر وہ ابلیس اعظم بن بیٹھیں۔ اگر وہ ظلم، حق تلفی اور نا انصافی پر اتر آئیں تو ان کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہوگا؟

اسلام اور سوشلزم کے اس اصولی فرق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اب آپ قرآن مجید کی آیت مذکورہ پر غور کریں۔ اس میں پہلے فرمایا گیا "یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ" اے نبی، تم سے مسلمان سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں"۔ یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ پہلے ایک ایسا معاشرہ ترتیب دیا گیا ہے جس کے پاس مال موجود ہے جسے سلب نہیں کیا گیا۔ مگر وہ مال کی محبت اور مادّہ پرستی میں مبتلا نہیں ہے بلکہ خدا اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے پر خود تیار ہے۔ آمادگیٔ نفس اور خوش دلی کے ساتھ خود پوچھتا ہے کہ ہم کیا خرچ کریں؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا قُلِ الْعَفْوَ (ان سے کہہ دو کہ جو ضرورت سے زاید ہو، وہ خرچ کرو)۔ جواب میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جو کچھ ان کے پاس زاید از ضرورت ہے وہ تم قومی ملکیت قرار دے کر ضبط کر لو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ جو کچھ زاید از ضرورت ہے اسے خرچ کریں۔ اس ارشاد میں تین باتیں صاف طور پر مضمر ہیں، ایک یہ کہ فرد اپنی جائز ملکیت کا مالک ہوگا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس میں سے انفاق فی سبیل اللہ اپنی آزاد مرضی کے ساتھ رضا کارانہ طور پر کرے گا اگر اسے انفاق کی تربیت اور مواقع حاصل نہ ہوں گے تو جو کچھ ڈنڈے کے بل پر اس سے وصول ہوگا وہ انفاق سے زیادہ "تاوان" کی تعریف میں آئے گا، تیسری بات یہ کہ اس امر کا فیصلہ کرنا کہ ایک شخص کا کتنا مال اس کے لیے ضروری ہے اور کتنا زاید از ضرورت ہے، اس کے لیے کوئی مستقل لگا بندھا اور قانونی فارمولا نہیں بنایا جا سکتا ایک صحیح اور معیاری اسلامی معاشرے کے معتدل ماحول میں ہر مسلمان خدا سے ڈرتے ہوئے خود ہی بہتر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کے انفرادی اور معاشرے کے اجتماعی حالات کے اعتبار سے اس کے مال کی کتنی مقدار پر عفو کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور اس میں سے کیا کچھ اسے اسلامی ریاست کے سپرد کر دینا چاہیے یا محتاجوں کو براہِ راست دے دینا چاہیے۔ جن اشتراکی ریاستوں نے اس کے برعکس یہ قاعدہ بنایا تھا کہ حکومت ہر شخص سے اس کی استعداد کے مطابق کام لے اور اس کی ضروریات کا تعین اور ان کی فراہمی بھی حکومت ہی کرے

یہ قاعدہ تجربے کے بعد ناکام ہو گیا اور اس میں بار بار ترمیم کرنی پڑی حتیٰ کہ اب اشتراکیت خود اس قاعدے سے دست بردار ہو گئی۔

بہر کیف اگر ایک اشتراکی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم قرآن میں غوطہ زن ہوں تو ہمارے سامنے قُلِ الْعَفْوَ کی جو پوشیدہ حقیقت نمودار ہوتی ہے، وہ یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ہمارا اقبال مرحوم کے بارے میں بھی حسنِ ظن یہی ہے کہ ان کے پیشِ نظر بھی یہی حقیقت ہو گی۔

یہ بحث صرف قل العفو کی تشریح تک محدود تھی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو سرمایہ دار اور دولت کا پجاری اسلام کی اخلاقی تعلیمات و ہدایات سے متاثر نہیں ہوتا، اسے راہ راست پر لانے کے لیے اسلام کوئی قانونی و انسدادی تدابیر تجویز ہی نہیں کرتا۔ اسلام ایسے زر پرستوں کو درست کرنے کے لیے یقیناً ایک لائحہ عمل رکھتا ہے جو معاشرے کے غیر معمولی حالات میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور جسے آج بھی کیا جانا چاہیے۔ لیکن اسلام مساواتِ شکم کو بطور ایک ایسے اصل الاصول کے تسلیم نہیں کرتا جس کے گرد پوری زندگی کو گھمایا جائے اور جس پر کسی متنفس کے عقیدہ، اخلاق، عزتِ نفس اور آزادیٔ ضمیر کو قربان کیا جا سکے۔ امیر ہو یا غریب اگر اس کی انسانیت اور اس کے اندر کا اخلاقی وجود ہی ختم ہو جائے تو محض پیٹ کے بل پر اس کا زندہ رہنا، نہ رہنا یکساں ہے۔ جب تک اسلام کے ہمہ گیر اور جامع اصولوں کے مطابق عقائد و اخلاق، معیشت و معاشرت، تعلیم و سیاست، غرض یہ کہ زندگی کے ہر پہلو میں بیک وقت اصلاحی مہم جاری نہ ہو، کسی ایک شعبۂ حیات میں بھی اسلامی عدل و انصاف کا قیام ممکن نہیں ہے۔

جہاں تک علامہ اقبال کے اس شعر کا تعلق ہے کہ "جس کھیت سے دہقاں کو . . . . ." اس سے جو لوگ تشدد، قانون شکنی اور غارت گری کا جواز نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، ان لوگوں کی سخن فہمی اور عقل و خرد لائق ماتم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے اپنے آپ کو متکلم کی حیثیت میں رکھ کر اس شعر میں اپنا کوئی ذاتی نظریہ بیان نہیں کیا۔ نہ انہوں نے اس شعر کو کسی کسان کانفرنس یا مزدوروں کے جلسے میں خطاب کے لیے موزوں کیا ہے۔ دراصل انہوں نے یہاں عالمِ تخیل و تمثیل میں ذات باری کو اپنے کارکنانِ قضا و قدر کے نام یہ فرمان جاری کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ "تم میری دنیا میں ایسا اور ایسا کرو"۔ ظاہر ہے کہ آسمان کی باتیں الگ ہیں اور زمین کی الگ۔ اللہ تعالیٰ کے عالمِ تکوینی کے معاملات و احکام اور ہیں اور عالمِ تشریعی کے احکام اور ہیں۔ اللہ احکم الحاکمین اور اس کے

(بقیہ: رسائل و مسائل)

فرشتے تو دن رات انسانوں پر مصائب و شدائد بھی نازل کرتے ہیں، ان کی جانیں بھی قبض کرتے ہیں، تو کیا اب بعض انسان بھی خدائی کے مقام پر فائز ہونا چاہتے ہیں اور اپنے مخاطبین کو ملائکہ سمجھ کر انہیں یہ حق دینا چاہتے ہیں کہ وہ جس کی جان و مال پر چاہیں بلا تکلف ہاتھ ڈال دیں اور خدا کی زمین میں جو تباہی چاہیں مچاتے پھریں ؟